© rasailojaraid.com

برہنہ مسکراہٹیں اور عریاں شوخیاں

وہ تین نوجوان تھے۔ اگلے روز اچانک شام ڈھلے میرے ہاں آن پہنچے۔ میں ان میں سے کسی کو بھی نہیں جانتا تھا۔ ''ہم ایف ایس سی کے طالب علم ہیں۔ ہمارے بعض سوالات ہیں۔ ہمارے استاد صاحب کا کہنا تھا کہ ان سوالوں کا جواب آپ بہتر طور پر دے سکتے ہیں۔'' عرض کیا: جی ضرور۔ مجھے خوشی ہوگی۔ اگر میں آپ کے کسی کام آسکوں!......ذہانت، جستجو اور اضطراب میں گندھے ہوئے وہ کتنے ہی سوال تھے جنھوں نے اس شام میرے اردگرد طمانیت کا ایک ہالہ سا تان دیا۔ میں نے سوچا: ہماری مٹی میں ابھی ایسے ان گنت شرارے موجود ہیں۔

نوجوانوں کے سارے سوالات اپنے ہی گردوپیش سے مہیا کیے گئے تھے۔ روایتی مذہبی تضادات، سماجی الجھاوے، شناخت کے بحران سے جڑی الجھنیں، یہ عقیدہ کیا ہے، اسے کیا ہونا چاہیے؟ وہ نظریہ کیا ہے، اُسے کیسا ہونا چاہیے؟ ہمارے خواب کثرتِ تعبیر کا شکار کیوں ہوجاتے ہیں؟ اگر تمہارے بقول ہمیں ''ایک قوم'' میں ڈھلنے کے لیے یک جہتی، یکسوئی اور یگانگت کی ضرورت ہے تو یہ ضرورت کون پوری کرے گا؟ اور آخری بات......ہم کیا کریں؟ ہم کدھر جائیں؟

عرض کیا کہ پہلی بات تو یہ کہ اپنے حقِ استفسار سے کبھی دست بردار مت ہونا۔ پوچھو اور پوچھتے رہو۔ اپنے ذہن سے سوچو۔ تجزیہ کرو۔ اتنی استعداد پیدا کرو کہ خوب و ناخوب میں اور کھرے کھوٹے میں تمیز اور فرق کرسکو۔ علم اور عمر کے جس مرحلے میں تم ہو، ضروری ہے کہ اقبال کو پڑھو۔ ورنہ زبانِ اردو کے بعض لازوال ذائقوں سے محرومی عمر بھر کا مقدر ٹھہرے گی۔ اگر ایک بار، بس ایک بار اس ''زبان'' کے راستے سے ''بیان'' تک پہنچ گئے تو سمجھ لینا کہ شاعری کے راستے سے علم تک جا پہنچے۔ علم جس کی حدیں یقین سے ملتی ہیں۔ ''یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے۔'' ہمارے گردوپیش کی دنیا فریبِ سود و زیاں، بتانِ وہم و گماں اور طلسم و وہم و مجاز سے بھری ہوئی ہے۔ مربعے خور اور رشوت خور سیاست دان، ریاکار اور منافق سکالرز، دوغلے اور دورخے دانش ور (دورخے بلکہ دومونہے)، یہ سب بے یقین لوگ ہیں۔ صوفی و مُلا بھی، ابلہانِ مسجد بھی اور فرزندانِ تہذیب بھی۔

''کیا اقبال جیسے لوگ کبھی پاور میں آسکیں گے''؟ ایک نوجوان نے پوچھا۔ عرض کیا: ہماری جیسی سوسائٹی میں تو شاید کبھی نہیں۔ پھر میں نے انھیں اقبال کے الیکشن لڑنے کا قصہ سنایا۔ حفیظ جالندھری کی روایت ہے کہ انتخابی مہم کے دوران ایک روز کسی جلسے سے خطاب کے بعد علامہ اندرون لاہور کی گلیوں سے ہوتے ہوئے پیدل واپس آرہے تھے۔ چونکہ امیدوار تھے، اس لیے راستے میں جو بھی ملتا اُسے سلام کرتے۔ ایک شخص کو علامہ نے سلام کیا۔ وہ شاید ان کے مخالف امیدوار ملک محمد دین کا حمایتی تھا، اس نے جواب میں دھوتی اُٹھادی اور ننگا ہوگیا۔ اقبال جب موٹر کار میں بیٹھے تھکے ہارے گھر جارہے تھے تو نہایت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بجھے ہوئے لہجے میں حفیظ سے کہنے لگے: ''اس قوم کے مصائب کے سبب میری راتوں کی نیند اچاٹ ہے لیکن اس کے افراد اخلاق اور مروت کی دولت سے کیوں محروم ہیں؟'' حفیظ نے اپنے مخصوص جالندھری انداز میں علامہ کو تسلی دیتے ہوئے جواب دیا: ''ڈاکٹر صاحب! قوم کے پاس جو کچھ ہے وہ اس نے آپ کو دکھلا دیا۔ اس میں مغموم ہونے کی کیا بات ہے؟'' ڈاکٹر جاوید اقبال نے لکھا ہے کہ حفیظ کی یہ بات سن کر اقبال کھلکھلا دیے اور ساری کدورت دور ہوگئی۔

''الیکشن کا نتیجہ کیا رہا؟'' اقبال جیت گئے۔ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۰ء تک وہ پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے رکن رہے۔

''کس پارٹی کی طرف سے؟'' انھوں نے آزادانہ الیکشن لڑا تھا۔ اس زمانے کی اکثریتی پارٹی یونینسٹ پارٹی تھی اور اس کے قائد تھے سر فضل حسین۔ علامہ نے کوشش کی کہ وہ یونینسٹوں کا ساتھ دیں لیکن نبھ نہ سکی۔ اقبال وہاں مس فٹ تھے۔ یونینسٹ بڑے خرانٹ اور گھاگ قسم کے لوگ تھے۔ انگریز کے پٹھو اور ٹوڈی۔ سازشی اور مفاد پرست۔ منہ کے میٹھے، عمل کے کڑوے۔ لہٰذا ''دوستی نبھ نہ سکی شیشے کی، پیمانے سے''۔

''یعنی جیسے نواز شریف کے ساتھی، گیلانی کی کابینہ میں نہ چل سکے؟'' یہ مثال یہاں جچتی نہیں۔

''اچھا سر! آپ اور باتیں چھوڑیں۔ یہ بتائیں کہ اس بندے نے حضرت علامہ کے سامنے دھوتی کیوں اٹھائی تھی؟'' تینوں نوجوانوں سے ایک نے جو بیشتر وقت خاموش بیٹھا رہا تھا، بڑی مسمسی صورت بنا کے اور معصوم لہجے میں پوچھا۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا، دوسرے نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا: ''وری سمپل۔ ارے بھئی اسے تم شو آف پاور کہہ سکتے ہو۔ شو آف ووٹ۔ عوامی طاقت کا اظہار۔ یونو۔ دِس از ڈیما کریسی۔

''یہ بتائیں کہ آج کل آپ لوگ کیا پڑھ رہے ہیں؟'' میں نے گفتگو کو ''مرکز مائل'' بنانے کی کوشش کی۔ ''شوخیاں اور مسکراہٹیں''۔ ایک نے جواب دیا اور پھر تینوں نے یک بیک ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔

''سر یہ دیکھیں''۔ ایک نوجوان نے دو عدد کتابیں مجھے تھما دیں۔ ایک شوخیاں اور دوسری مسکراہٹیں خوب، لیکن یہ لطیفوں کی کتابیں ہیں اور سکول کے بچوں کے لیے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ لوگ اب ذرا سا بڑے ہو گئے ہو۔ مطالعے میں سنجیدگی کا تناسب بھی کچھ بڑھنا چاہیے۔

''یہ بات نہیں سر۔ آپ ذرا غور سے دیکھیے۔ یہ کتابیں بچوں کے لیے نہیں ہیں، نہ ہی ہم جیسے بڑے بچوں کے لیے۔ یہ آپ جیسے بڑے بڑوں کے لیے ہے۔ سر یہ دیکھنے کی چیزیں ہیں۔''

نوجوان کی معنی خیز وضاحت سے مجھے کچھ شک گزرا۔ میں نے ایک کتاب اُٹھا کر ورق گردانی شروع کر دی۔ ایک، دو، تین، چار...... نہیں نہیں گنتی کی ضرورت نہیں۔ آدھی سے زیادہ کتاب گندے اور فحش لطیفوں سے بھری ہوئی۔ لچر، بے ہودہ، غلیظ اور بدبودار۔ میں دم بخود رہ گیا۔ میں نے دوسری کتاب اٹھائی۔ اس کا معاملہ پہلی سے بھی سوا نکلا۔ اور میں کانپ گیا۔ دونوں کتابوں کے سرورق پر لکھا تھا: Not for sale (خرید و فروخت ممنوع ہے)۔ اف خدایا! کون ظالم ہے جو معصوم ہاتھوں میں یہ گندگی تھما رہا ہے۔ کتنے پیسے، کتنی بڑی سازش؟ دونوں کتابوں کے سرورق پر حکومتِ پنجاب کا علامتی نشان جگمگا رہا تھا۔ اور اس کے پہلو میں پیوست یک سطری عبارت ''پنجاب سکول لائبریریز پراجیکٹ، محکمہ تعلیم''۔ اس کے نیچے دوسری سطر (انگریزی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں (German Debt Swap-I)۔میں سناٹے میں آ گیا۔ ایک نوجوان نے آہستگی سے کہا: ''آپ کے پاس آنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ آپ کو بتایا جائے۔ اب ہمارے سرکاری سکولوں میں تربیت کا ایسا شاندار اور مفت انتظام کر دیا گیا ہے۔''
نوجوان اٹھے اور اجازت لے کر چلے گئے۔

یہ دونوں کتابیں لاہور کے ایک نیک نام ناشر نے چھاپی ہیں اور گمان غالب ہے کہ پڑھے بغیر۔ تاریخ اشاعت اپریل ۲۰۰۸ء، تعداد اشاعت درج نہیں۔ اندازہ ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں چھپی ہوں گی۔ پنجاب بھر کے سکولوں میں مفت بانٹنے کے لیے۔ ناشر نے لکھا ہے کہ ''یہ وہ تفریحی اور فکاہیہ ادب ہے جس کو پڑھ کر تھکا ہوا ذہن منٹ دو منٹ کے لیے ہشاش بشاش ہو جاتا ہے۔'' ہشاش بشاش؟ جس ادب میں جنسی لطیفے اور ازدواجی بوالعجبیوں کے گندے کیڑے کلبلا رہے ہوں، وہ معصوم بچوں کو ''ہشاش بشاش'' کرنے کے لیے یقیناً مفید اور کارآمد ہوگا۔ آزمائش شرط ہے اور حکومت پنجاب نے یہ شرط پوری کر دی ہے۔

یہ Debt Swap بیرونی امداد کی وہ قسم ہے جو قرضے کے نام پر ملتی ہے اور عموماً اس کا صرف ۱۰ سے ۲۰ فی صد قابل واپسی ہوتا ہے۔ باقی ......غتر بود اور گھاؤ گھپ۔ شہباز شریف، اس سال جون میں ''خادم اعلیٰ'' بنے ہیں۔ کاش وہ آڈٹ کرا سکیں کہ جرمنی، کینیڈا اور نجانے کن کن ملکوں کے Debt Swap ''پرویز اعلیٰ'' کے دور میں کس کس کارِ خیر میں جھونکے گئے۔ محکمۂ تعلیم کی وہ دوسطری وضاحت چند دن گزرے ہم نے اخبار میں پڑھی تھی کہ قابل اعتراض کتابیں، سکولوں سے واپس منگوالی گئی ہیں۔ لیکن کب؟ کسی سکول میں آج تک ایسا کوئی حکم نامہ نہیں پہنچا۔ پہنچ بھی جائے تو اس پر عمل کتنا ہوگا؟ تیر کمان سے نکل چکا۔

پرویز اعلیٰ کا ''پڑھا لکھا پنجاب'' دیکھ چکے اور اب خادم اعلیٰ کا ''علمی و ادبی انقلاب'' دیکھ رہے ہیں۔ بچوں سے کہا جا رہا ہے کہ زورِ قلم آزمائیں، خطابت کے جوہر دکھائیں۔ آج (۱۳/ نومبر) سے صوبے بھر کے سکولوں میں مضمون نویسی اور تقریروں کے مقابلے شروع ہو رہے ہیں۔ یہ سلسلہ کالجوں اور یونی ورسٹیوں تک پھیل جائے گا۔ ایک ہزار سے دو لاکھ روپے تک کے نقد انعامات، کل انعامی رقم ۱۴ کروڑ روپے۔ اور ان مقابلوں کی تیاری کے لیے کتابیں؟ مسکراہٹیں۔ شوخیاں۔ ایک چودہ کروڑ نہیں کئی چودہ کروڑ۔ کوئی بتا سکے کہ ان کروڑوں اربوں روپوں کا مصرف؟ قوم کے بچوں کو ایک منظم سازش کے تحت آوارگی، اوباشی اور بے حیائی کے جہنم میں جھونکنا۔ اور پھر بچیاں؟ کلیوں کی طرح معصوم اور صبح کے اجالوں کی طرح پاک پوتر بیٹیاں۔ کیا اب اس برہنہ گوئی اور عریاں کلامی کی تعلیم پانے سکولوں میں بھیجی جائیں گی؟ کاش کوئی سن سکے، دیکھ سکے اور پہچان سکے، یہ کون ہے جو خادم اعلیٰ کے علمی و ادبی انقلاب کے سامنے دھوتی اٹھا کر کھڑا ہے۔

(حرفِ بے آمیز روزنامہ خبریں ۱۴/ نومبر ۲۰۰۸ء)

© rasailojaraid.com